R. No. 2186/57 Regd. No. L.922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—20
Annual Rs. 4/-
per Copy-12

جلد ۲۷۔ شمارہ ۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ جنوری ۱۹۶۸ء

اداریہ

زبان کے معاملے میں ہوشمندی کی ضرورت

سوچنے کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں زبان کے مسئلے پر اتنے ہنگامے کیوں ہوتے ہیں۔ زبان کا سوال بہت اہم ہے، خصوصاً ملک کے لیے ایک سرکاری زبان کا، مگر انگریزی کے خلاف شمالی ہند میں اور ہندی کے خلاف جنوبی ہند میں جو ہنگامے ہوئے ہیں، ان کا کسی طرح کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے ملک میں ایک زبان کو مرکزی زبان مان لینا آسان نہیں ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ برسوں کے بنے بنائے نقشے کو چند دن میں بگاڑ کر رکھ دینا کسی طرح عقلمندی نہیں ہے۔ اگر اس معاملے میں سیاسی پارٹیاں، ماہرینِ تعلیم، ماہرینِ لسانیات، اہلِ علم سر جوڑ کر بیٹھتے اور ایک متفقہ اور قابلِ عمل تجویز پیش کرتے تو بہتر ہوتا۔ مگر یہاں تو معاملہ سڑکوں پر طے ہو رہا ہے اور کچھ لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بسوں اور ریلوں کو جلا کر یا تار کاٹ کر یا ناموں کی تختیاں توڑ کر وہ اپنی زبان کی خدمت کر رہے ہیں۔ در اصل جیسا کہ کرشنا مینن نے کہا ہے زبان کے مسئلے کو اس طرح ہوا دینا، ایک طرح ملک کے دوسرے زیادہ اہم مسائل مثلاً غذا کا معاملہ یا بے روزگاری کا معاملہ یا جہالت کا معاملہ یا معیارِ زندگی بڑھانے کا معاملہ جیسے مسائل کو پس پشت ڈالنے کے مترادف ہے۔ بات یہ ہے کہ موجودہ حالات پر نوجوانوں کو غصہ ہے۔ ان کے سامنے کوئی روشن مستقبل نہیں۔ ان کے بزرگوں نے خدمت اور محنت کا کوئی معیار ان کے سامنے نہیں رکھا۔ ان کی تخلیقی صلاحیت بروئے کار نہیں آئی۔ انھیں ایک جامد نظامِ تعلیم کے سانچے میں زندگی بسر کرنا پڑ رہا ہے۔ سماج میں اخلاقی قدروں کا زوال دیکھ رہے ہیں۔ خلوص، محبت، سچائی، نیکی کی پامالی ان کی نظروں کے سامنے ہے۔ رشوت، چور بازاری، دھوکا دھڑی، گروہ بندی، اقربا پروری، ذات پات رکھنے کی پاسداری، تنگ نظری عام ہے۔ مشترک خاندان کا زور ٹوٹ چکا، صنعتی زندگی نے فرد کی قدریں بدل دیں، سستی سیاست نے دھوکے اور فریب اور اشتہار بازی کے چلتے پھرتے نمونے دکھا دیے۔ اس عالم میں جذبات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور جو سیاسی پارٹیاں جذبات سے کھیلتی ہیں ان کی چاندی ہے۔ زبان کے معاملے میں بھی آج ہمارے ملک کے نوجوانوں کے جذبات سے کچھ سیاسی پارٹیاں کھیل رہی ہیں۔ اس لیے تمام دانشوروں، معلموں، قومی کارکنوں اور دیش بھگتوں کا فرض ہے کہ زبان کے مسئلے کو سستی سیاست سے ہٹا لینے پر زور دیں اور ہر طرح کے ہنگاموں کی پرزور مذمت کریں۔ ان ہنگاموں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، ہاں پورے ملک میں بدامنی اور تشدد کا دور دورہ ہو جاتا ہے اور ملک کی وحدت اور سالمیت خطرے میں ہے۔ اس وقت ہم سب کو کوشش کرنا چاہیے کہ انتہا پسندی سے بچیں۔ اپنی زبان کی ترقی کے لیے دوسری زبانوں کو بے دخل کرنے کی کوشش نہ کریں، ملک کی کسی زبان سے نفرت نہ کریں۔ جب تک مرکز کے لیے کسی ایک زبان پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے اس وقت تک انگریزی کو مرکز میں استعمال کرنے میں شرم یا ذلت محسوس نہ کریں۔ یوں بھی انگریزی کا ایک اچھا معیار اعلیٰ تعلیم کے لیے پھر بھی ضروری رہے گا کیونکہ اس کے بغیر ہم جدید دور کے علمی معیاروں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہمیں اپنی تمام قومی زبانوں کو ترقی دینا ہے اور اس کے لیے ہمیں ابھی بہت کام کرنا ہے۔ ان زبانوں کو رفتہ رفتہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ضرور بننا چاہیے اور اس کے لیے مناسب انتظامات جلد شروع کر دینے چاہئیں مگر پہلے ابتدائی و ثانوی منزل پر اچھی کتابوں اور تربیت یافتہ اساتذہ اور مناسب معیار کی طرف سے اطمینان ہو جانا چاہیے۔ زبان کے معاملے میں جوش کی کم اور ہوش کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہندوستان کی وحدت اور سالمیت اگر ہمیں عزیز ہے تو ہمیں بڑی ہوشمندی کا ثبوت دینا ہوگا۔

سی ڈے لیوس کو اعزاز

ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ انگلستان کے گذشتہ سال کے خطابات میں مشہور شاعر اور نقاد سیسل ڈے لیوس کو جان میسفیلڈ کے انتقال پر ملک الشعرا بنایا گیا ہے۔ بظاہر اس خطاب کی کوئی ادبی اہمیت اب نہیں رہی، مگر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خطاب محض سیاسی مصلحتوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ ادبی شہرت اور منصب کے لحاظ سے دیا گیا ہے۔ سیسل ڈے لیوس کا نام بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں آڈن، اسپینڈر اور میک نیس کے ساتھ چمکا اور جدید انگریزی شاعری میں ان کی ایک قابلِ قدر جگہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کی دو مشہور کتابیں (A HOPE FOR POETRY) اور (THE POETIC IMAGE) انگریزی تنقید میں اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں شاعری کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ ڈے لیوس نے اس خبر کو سن کر جو بات کہی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بناوٹ یا دکھاوا نہیں ہے۔ انھوں نے فرمایا "ملک الشعرا ہونے کو کچھ لوگ ایک اعزاز اور کچھ موت کا بوسہ کہتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس خبر سے مجھے خوشی نہیں ہوئی۔" اگرچہ ڈے لیوس کا نام ان کے کام کی وجہ سے

زندہ رہے گا۔ انگریزی حکومت کا یہ اعتراف اس حکومت اور اس کے ججوں کی فطرت کی صحت کی دلیل ضرور ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر

بڑی خوشی کی بات ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالعلیم مقرر ہوئے ہیں۔ اب تک ڈاکٹر علیم عربی کے شعبے کے صدر اور ادارۂ علوم اسلامیہ کے ڈائرکٹر تھے۔ وہ ایک ممتاز معلم اور ایک قابل قدر مصنف ہیں۔ وہ اردو میں سماجی تنقید کے پیش رو کہے جا سکتے ہیں۔ ان کے متعدد تنقیدی مضامین ادبی حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ ایک زمانہ میں وہ رسالہ جامعہ کی ادارت میں بھی شریک رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انجمن ترقی اردو ہند سے ان کا تعلق بہت گہرا ہے اور وہ انجمن کی مجلس عام، مجلس عاملہ اور مالی مجلس کے ممبر ہیں۔ بامعہ اور علی گڑھ کے خاصی مدت تک ٹریژرر رہ چکے ہیں۔ تعلیمی مسائل سے انھیں گہری دلچسپی ہے اور علی گڑھ یونیورسٹی میں نیا سمسٹر کورس شروع کرانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ان کی قیادت میں یونیورسٹی ترقی کرے گی اس کا علمی وقار بڑھے گا اور وہ ملک میں اپنے تہذیبی اور ادبی رول کو اور نمایاں کرے گی۔ یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ ان کے تقرر کو تمام علمی و تعلیمی حلقوں میں سراہا گیا ہے۔

تاجکستان میں فارسی زبان و ادب سیمپوزیم ڈاکٹر منیب الرحمٰن کی شرکت

علی گڑھ۔ علمی اور ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت سے سنی جائے گی کہ فارسی کے اسکالر اور اردو کے مشہور شاعر ڈاکٹر منیب الرحمٰن ہم عصر فارسی زبان و ادب پر ایک خاص سیمپوزیم میں شرکت کے لیے تاجکستان گئے ہوئے تھے۔ یہ سیمپوزیم دوشنبہ میں ہوا اور اس میں ایران، افغانستان، ہندوستان، ازبکستان اور تاجکستان کے نمائندے شریک ہوئے۔ سیمپوزیم ۲ دسمبر سے شروع ہو کر ۵ دسمبر تک جاری رہا (نامہ نگار)

جسٹس محمود کا اردو میں فیصلہ

الٰہ آباد۔ یہاں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کیلاش ناتھ وانچو نے الٰہ آباد ہائی کورٹ میں پرانے قانونی کاغذات اور ریکارڈ کے میوزیم (عجائب گھر) کا افتتاح کیا۔

شمالی ہند میں عدلیہ کی ارتقائی کہانی بیان کرنے والے ان کاغذات میں اردو میں لکھا ہوا ایک فیصلہ بھی ہے جو جسٹس سید محمود نے تحریر کیا تھا۔

جسٹس سید محمود سر سید احمد خاں کے فرزند تھے اور الٰہ آباد ہائی کورٹ کے پہلے ہندوستانی جج تھے۔ وہ ۱۸۸۲ء میں جج مقرر ہوئے تھے۔ (قومی آواز)

نوجوان ادیب انور سدید یونیورسٹی میں اول آئے

پاکستان کی پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔اے اردو کے امتحان منعقدہ جون ۱۹۶۹ء میں اردو کے معروف ادیب انور سدید اول آئے۔

انور سدید سرگودھا پاکستان سے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت میں شریک امتحان ہوئے۔ وہ مغربی پاکستان کے محکمۂ آبپاشی میں انجینیر ہیں۔ ایم۔اے اردو کے اس اعزاز پر انھیں پنجاب یونیورسٹی کے طلائی تمغے کے علاوہ انجمن ترقی اردو پاکستان کا بابائے اردو گولڈ میڈل بھی عطا ہوگا۔

انور سدید کے مضامین اور افسانے وقیع ادبی پرچوں مثلاً اوراق، فنون، سیپ، افکار، ماہ نو اور اردو زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ (ایک نامہ نگار)

پشتو زبان کے قواعد کا نایاب نسخہ

لینن گراڈ۔ ۲۳ دسمبر۔ لینن گراڈ کے سائنس دانوں کو ادارہ ایشیائی اقوام کے عجائب گھر میں محبت خاں کی تصنیف ریاض المحبت کا ایک نایاب قلمی نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ پشتو زبان کے قواعد سے متعلق اولین تصنیف ہے۔ سوویت سائنس دانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب گزشتہ صدی کے اوائل میں کلکتہ میں لکھی گئی تھی۔ یہ قلمی نسخہ کتنے اصل نسخہ کی نقل ہے۔ اصل نسخہ خود مصنف نے مرتب کیا تھا۔ ریاض المحبت ایک ایسا خزانہ ہے جس سے پشتو زبان کے تقابلی مطالعے میں مدد ملتی ہے۔ پشتو زبان کے الفاظ کے تلفظ کی وضاحت کی کوشش بھی کتاب میں کی گئی ہے۔

شاہکار کا احتشام حسین نمبر

الٰہ آباد۔ ہندوستان کا مشہور ادبی ڈائجسٹ شاہکار اردو کے چوٹی کے نقاد پروفیسر احتشام حسین کی شخصیت اور کارناموں پر ایک خاص نمبر پیش کر رہا ہے۔ شاہکار کا حال ہی میں ایک ناولٹ نمبر بھی شائع ہوا ہے۔ جو حضرات ۳۰ جنوری تک گیارہ روپے منی آرڈر سے بھیج دیں گے انھیں یہ دونوں خاص نمبر رجسٹری سے اور باقی عام شمارے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں گے۔ وی پی نہیں کی جائیگی۔

منیجر شاہکار۔ ۲/۱۳۴ بخشی بازار، الٰہ آباد ۳

شاهد کبیر

غزل

تھک کے بیٹھے گا جس گھڑی جوگی
رات اس سمے سے شروع ہوگی

حرج کیا ہے یہیں برس جاؤ
اے گھٹاؤ! کہیں تو بر سوگی

یہ امنگیں ہیں تیرے آنے تک
پھر کوئی آرزو کہاں ہوگی

زیست کے فلسفوں سے کچھ نہ ہوا
رہ گیا کل حیات کا روگی

سب سے کرتی ہو تذکرہ میرا
مجھ سے کب میرا حال پوچھوگی

طیب انصاری

دورِ آصفی کے اردو رسائل

دکن ریویو

"دکن ریویو" حیدرآباد کے قدیم رسائل میں اپنے ترجموں کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل تھا اور یہی بات اس کی شہرت کی وجہ بھی بن گئی۔ ظفر علی خاں خود بھی صاحب طرز انشاپرداز تھے۔ وہ بحیثیت شاعر کوئی اونچا مقام رکھتے ہوں یا نہ ہوں لیکن ان کی تحریر کی شوخی اور ترجمہ کی سلاست اور سادگی بحیثیت ادیب آموری کے لیے کافی ہے۔ ان کے مشہور ترجموں میں "بن دی ماسٹر پیس" (مصنفہ کپلنگ)، دی جنگل بک (مصنفہ رڈیارڈ کپلنگ)، الفاروق (مصنفہ شبلی نعمانی) اور پرشیا (مصنفہ لارڈ کرزن) بے حد مقبول ہوئے۔ ان ناولوں اور کتابوں کو انھوں نے اشرف المخلوقات، جنگل میں منگل، الفاروق اور خیابان کے نام سے اردو میں منتقل کرکے سرمایۂ ادب میں گرانقدر اضافہ کیا۔ ترجمہ کا کام یوں بھی جان لیوا ہوتا ہے لیکن ظفر علی خاں کی انگریزی زبان سے واقفیت اور اردو زبان پر قدرت نے اس کام کو ان کے لیے بہت آسان بنا دیا۔ اردو زبان و ادب میں ترجمہ کی ہمیشہ ہی سے کمی محسوس کی جاتی رہی ہے۔ آج بھی جبکہ انگریزی عام ہو چکی ہے، اچھے ناولوں اور کتابوں کے ترجمے نایاب ہیں۔ دکن ریویو اس حیثیت سے بے حد اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں ترجمہ شدہ ناولوں اور کتابوں کو شائع کیا گیا۔ خصوصاً انگلستان کے جادو نگار افسانہ نویس مسٹر رینالڈ کی مشہور و مقبول اور معرکۃ الآرا تصنیف "مسٹریز آف لندن" کا ترجمہ بنام "فسانۂ لندن" "دکن ریویو" کے ذریعہ اردو ادب میں منتقل کیا گیا۔ گو ابتدا میں اس افسانہ کو کوئی زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی لیکن جب علحدہ کتابی صورت میں شائع ہوا تو لوگوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ خریدا۔

ظفر علی خاں نے مشن ہائی اسکول وزیرآباد سے مڈل کا امتحان پاس کیا پھر پٹیالہ گئے۔ علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ ۱۸۹۵ء میں بی۔ اے کیا۔ محسن الملک کے پرائیویٹ سکریٹری رہے اور وہاں سے حیدرآباد پہنچے۔ فوج میں ملازم ہوئے پھر دارالترجمہ میں جگہ لی۔ حضور نظام مرحوم نے انھیں "خیابان فارس" کے ترجمہ پر پانچ ہزار کی رقم عطا کی۔ لارڈ کرزن نے طلائی دستہ کی چھڑی پیش کی۔ فسانۂ لندن، سیر ظلمات اور معرکۂ مذہب و سائنس اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ جنگ روس و جاپان کے نام سے ڈرامہ لکھا اور اسی دور میں دکن ریویو کے نام سے ۱۹۰۳ء میں ایک علمی رسالہ نکالا۔ حیدرآباد میں سازش کی وجہ سے اس کی ادارت چھوڑنی پڑی اور انگریزوں کے خلاف سازش کے الزام میں ریاست سے نکل جانا پڑا۔ یہ واقعہ ۱۹۰۶ء کا ہے۔ حیدرآباد چھوڑ کر وہ سالی لینڈ چلے گئے اور اسی سال بمبئی ٹائمس پرنٹنگ ٹائمس آف انڈیا پرنٹنگ سے اس کا پہلا نمبر نومبر ۱۹۰۶ء میں شائع کیا اور جب ۱۹۰۸ء میں سرکار حضور نظام نے شہر بدری کے احکامات کو منسوخ کر دیا تو انھوں نے حیدرآباد پہنچ کر پھر ایک بار پھر ایک بار دکن ریویو کو جاری کیا۔ چنانچہ شبیر الحق دسنوی کے بموجب "عدیم الفرصتی کے باعث

مارچ و اپریل ۱۹۰۹ء (نمبر ۵، ۶) کے مشترکہ پرچے کی اشاعت کے بعد ظفر علی خاں صاحب نے دکن ریویو کی ملکیت کا حق اور ایڈیٹری سید محمود احمد قادری تشنہ باغ سالک رام حیدرآباد کے نام منتقل کر دی جن کی ادارت جولائی ۱۹۰۹ء سے پرچہ نکلنا شروع ہوا۔[1]

ہماری زبان نے اردو رسائل پر ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء کے دوران مضامین کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تھا چنانچہ یکم فروری ۱۹۶۲ء ہی کے شمارے میں مولوی نصیر الدین ہاشمی اور شبیر الحق دسنوی نے "دکن ریویو" پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے کہ رسالہ دکن ریویو "جو حیدرآباد سے مولوی ظفر علی خاں صاحب مرحوم ماہوار شائع کرتے تھے رسالہ نمبر ۵۔ جلد دوم ماہ ستمبر ۱۹۰۴ء کے ٹائٹل پیج پر چار مینار کا نقشہ ہے اور اس کے اوپر "بہ سرپرستی مہاراجہ یمین السلطنت کے سی آئی ای دام اقبالہ وزیر اعظم دولت آصفیہ" درج ہے۔ چارمینار کے نیچے جلی حروف میں "افسانہ" اس کے نیچے یہ عبارت ہے:

"اعلیٰ درجہ کے انگریزی ناولوں کے تراجم کا ماہوار رسالہ"

شبیر الحق دسنوی نے قدرے تفصیلی معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کے اس مضمون کے بعد مستقل بحث کا آغاز ہو گیا چنانچہ بعد کو ابن علی بداوی کا مضمون اسی سال یکم اگست کے شمارے میں شائع ہوا۔ ان دونوں مضامین کے اقتباسات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ شبیر الحق نے لکھا ہے کہ "اس رسالے کی جلدیں پٹنہ کے ایک کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے الاصلاح لائبریری میں دسنہ کی پانچ جلدیں محفوظ پائی جاتی ہیں۔ ان جلدوں کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دکن ریویو کی اشاعت جنوری ۱۹۰۴ء سے پہلے کی نہیں ہے۔ مولانا ظفر علی خاں حیدرآباد سے یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد ... کی سرپرستی میں جولائی ۱۹۰۲ء سے افسانہ کے نام سے ایک رسالہ نکالتے تھے جس میں موصوف مسٹریز آف لندن کا ترجمہ بنام فسانۂ لندن شائع کرتے تھے۔ اس افسانہ کی پہلی جلد ۱۹۰۳ء کے آخر میں شائع ہوئی تھی۔

جنوری ۱۹۰۴ء سے صاحب موصوف نے دکن ریویو نکالنا شروع کیا اور رسالہ افسانہ کو دکن ریویو کے ساتھ ضم کر دیا۔ تیسری جلد کی تکمیل کے بعد ایڈیٹر مولوی ظفر علی خاں صاحب کی طبیعت بری طرح ناساز ہو گئی اور ان کی شدید علالت کے باعث اکتوبر ۱۹۰۵ء تک دکن ریویو بند رہا اور نومبر ۱۹۰۶ء میں دکن ریویو سلسلہ جدید جلد ۱ شمارہ ۱ ٹائمس آف انڈیا پرنٹنگ بمبئی سے نکلنا شروع ہوا۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کا رسالہ جلد ۱ نمبر ۲ بھی بمبئی ہی سے شائع ہوا۔ جنوری فروری ۱۹۰۷ء کے پرچے (۳-۴) بمبئی میں تیار کر لیے گئے تھے مگر ایڈیٹر ظفر علی خاں کے دفعتہً حیدرآباد چلے آنے کی وجہ سے ان کی اشاعت معرض التوا میں آ گئی اور یہ دونوں مشترکہ نمبر ناظرین کی خدمت میں حیدرآباد سے

[1] ہماری زبان یکم فروری ۶۲ء

بھیجے گئے۔ پھر مارچ ۱۹۰۶ء سے سلسلۂ جدید کے پرچے حیدرآباد سے نکلنے لگے مگر وقت کی پابندی ان پرچوں کی اشاعت میں کبھی ملحوظ نہیں رہی۔ اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست ۱۹۰۷ء کا مشترکہ نمبر اسلام نمبر سلک اول کے نام سے نکلا اور ستمبر، اکتوبر ۱۹۰۷ء نمبر (۱۱-۱۲) کا مشترکہ نمبر جس پر اس سلسلۂ جدید جلد اول کا خاتمہ ہوا اسلام نمبر سلک دوم قرار پایا۔ اس جلد میں جسٹس بدرالدین طیب جی، مسٹر کریم بھائی ابراہیم، امیر حبیب اللہ خاں فرماں روائے افغانستان، سلطان ٹرکی شاہ آف پرشیا کے فوٹو شائع ہوئے ہیں۔ رسالہ کی پہلی دو جلدیں کتابی سائز پر نکلی تھیں۔

ایڈیٹر کے عرض مدعا، ماہ گزشتہ، مرقع مشاہیر، اردو فارسی غزلیں اور نظمیں۔ کتابوں، رسالوں اور اخباروں کے ریویو کے عنوان سے مضامین شائع ہوئے ہیں۔

دکن ریویو کے بمبئی سے شائع ہونے اور ظفر علی خاں کے شہر بدر ہونے کے بعد سمالی لینڈ پہنچ جانے کی داستان کو ابن علی بدایونی نے دلچسپ انداز میں لکھا ہے۔ جس طرح ظفر علی خاں پہلے پہل حیدرآباد پہنچے اور "افسانہ" کی اشاعت کا اصل سبب کیا ہے؟ اس مضمون سے ان ساری باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

"واقعہ تو یہ ہے کہ ۱۸۹۵ء میں مولوی ظفر علی خاں صاحب مرحوم اور میرے والد مولوی سید محفوظ علی صاحب بدایونی طالب ٹرافٹ ایم اے او کالج علی گڑھ سے ایک ساتھ بی۔ اے پاس کیا۔ اول الذکر نے حیدرآباد (دکن) پہنچ کر ملازمت اختیار کی اور حضرت قبلہ گاہی صاحب مرحوم ریاست خیرپور سندھ میں نائب وزیر مقرر ہو گئے۔

۱۸۹۸ء کے اواخر میں حضرت قبلہ خیرپور سے مستعفی ہو کر بدایوں اپنے وطن تشریف لائے۔ کچھ دنوں بعد اپنے ہم سبق اور عزیز دوست مولوی عبدالحق صاحب مرحوم (بابائے اردو) اور مولوی ظفر علی خاں صاحب کے اصرار پر حیدرآباد (دکن) پہنچے اور ملازم ہو گئے۔ ان تینوں دوستوں کے رسالے "افسانہ" نے ایک ایسی ہی نشست میں جنم لیا۔ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کو رسالہ "افسانہ" اور "مسٹریز آف لندن" ناپسند تھے۔ کچھ دن بعد افسانہ بند کر دیا گیا اور جنوری ۱۹۰۴ء سے دکن ریویو نکلنا شروع ہوا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ قبلہ و کعبہ مولوی سید محفوظ علی صاحب نے اپنے نام سے لکھنے کے بجائے اکثر فرضی ناموں سے مضامین لکھے۔ چنانچہ دکن ریویو میں کمتر مضامین اپنے نام سے اور بیشتر مضامین نقاش اور دوسرے ناموں سے لکھتے رہے۔ ۱۹۰۴ء کے دوران سر تھیوڈور مارلیس پرنسپل ایم اے او کالج علی گڑھ کی سفارش پر برٹش ڈپٹی کمشنر لندن کے دفتر سے میرے والد صاحب مرحوم کو سمالی لینڈ افریقہ کے شہر بربرہ میں مجسٹریٹ مقرر کر دیا گیا۔ "افریقہ کا مسافر" وہ خط ہے جو انھوں نے جہاز پر سے مولوی ظفر علی خاں صاحب کو لکھا تھا اور جو دکن ریویو میں شائع ہوا۔ ۱۹۰۴ء میں ایک نظم "ذاکر نامہ" لکھنے کے سلسلے میں مولوی ظفر علی خاں صاحب ریاست حیدرآباد کی ملازمت سے برطرف اور شہر بدر کر دیے گئے۔ چنانچہ جنوری ۱۹۰۶ء میں وہ قبلہ گاہی مرحوم کے پاس سمالی لینڈ پہنچ گئے اور دکن ریویو بند ہو گیا۔ دوستی کے تعلقات کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ والد مرحوم نے اولاً چھ ماہ کی رخصت حاصل کی اور پھر ملازمت کو خیرباد کہہ کر حق دوستی کی خاطر اپنے دس ہزار روپے کے سرمائے سے بمبئی میں کاروبار شروع کر دیا۔ کالبا دیوی روڈ بمبئی میں ایم اے بشیر اینڈ کو کے نام سے دوکان کھولی گئی۔ ظفر علی خاں صاحب شریک کاروبار تھے لیکن ظفر علی خاں کو دکن ریویو کی یاد بے چین کیے رہتی تھی چنانچہ انھوں نے بمبئی سے اس کا احیا کیا (آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بمبئی سے دکن ریویو کیوں نکلا)

اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے۔ مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم اور ظفر علی خاں صاحب ایک دوسرے بعد شہر بدری کے احکام کے منسوخ کرانے اور ان کے بازماموری حیدرآباد کے لیے دو سال سے کوشاں تھے۔ مارچ ۱۹۰۶ء میں یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور ظفر علی خاں صاحب حیدرآباد پہنچ گئے۔ دکن ریویو ایک بار پھر حیدرآباد سے نکلنے لگا[1]

ابن علی بدایونی نے ممکن ہو ظفر علی خاں اور اپنے والد بزرگوار کے تعلقات کے بارے میں کسی قدر مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہو لیکن بات صد فی صد غلط نہیں ہے۔ خود ظفر علی خاں مرحوم نے "دور دراز دریائی سفر" کا ذکر بمبئی سے شائع ہونے والے دکن ریویو کے پہلے شمارہ میں کیا ہے۔ بمبئی سے دکن ریویو کا پہلا شمارہ نومبر ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا۔ اس شمارہ کے اداریہ میں "عرض مدعا" کے زیر عنوان رقم طراز ہیں۔

"کچھ عرصہ کی غیر حاضری کے بعد دکن ریویو ناظرین کی خدمت میں باریاب ہونے کا شرف پھر حاصل کرتا ہے۔ ہم نے جب جنوری سنہ رواں میں اپنے ناظرین کو اطلاع دی تھی کہ بوجہ علالت ہم مجبور ہیں کہ رسالہ کی اشاعت برائے چندے ملتوی کریں تو ہمیں خیال نہ تھا کہ سلسلۂ علالت اس قدر طول کھینچے گا اور ہمیں بغرض تبدیلی آب و ہوا ایک دور دراز دریائی سفر پر جانا پڑے گا۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ اب ہم صحت یاب ہو کر ناظرین کی خدمت گزاری کے لیے تیار ہیں۔

"دکن ریویو کا مولود وطن مملکت ابد مدت آصفیہ کا دارالحکومت ہے۔ ہماری دلی خواہش تو یہ تھی کہ یہ مولود نشو و نما پا کر سن رشد و شباب کی منزلیں یہیں طے کرتا لیکن دکن ریویو کے بعض پرستوں کے اصرار اور ان بہت سی آسانیوں کے خیال نے جو ہندوستان کے لندن اور دنیا کے تجارت کے ایشیائی مرکز یعنی بمبئی میں بہم قسم کے کاروبار والے کو حاصل ہیں آمادہ کیا کہ دکن ریویو کے سلسلہ جدید کی اشاعت یہیں سے ہو[2]

اس اداریہ کو پڑھنے کے بعد ابن علی بدایونی کے بہت سے

[1] ہماری زبان (علی گڑھ) یکم اگست ۱۹۶۲ء۔ [2] دکن ریویو نومبر ۱۹۰۵ء

دعووں کی تصدیق ہوتی ہے کہ ظفر علی خاں شہر بدر کیے جانے کے بعد حیدرآباد سے بمبئی گئے تھے وہاں سے واپس آنے کے بعد بمبئی کو اس وجہ سے منتخب کیا گیا تھا کہ بعض سرپرستوں کا اصرار تھا کہ رسالہ بمبئی سے شائع ہو بہرحال بمبئی سے تقریباً دوبارہ حیدرآباد واپس ہونے تک شائع ہوتا رہا اور جب وہ حیدرآباد آئے تو انھوں نے چند دنوں تک دکن ریویو کو نکالنے کے بعد اس رسالہ کو سید محمود احمد قادری کے حوالے کیا اور خود پنجاب سے "زمیندار" کو جاری کیا جو ہندوستان کے چند گنے چنے سیاسی رسالوں میں شمار ہوتا ہے، جو عوامی شعور کو بیدار کرنے اور آزادی کے نعرہ کو عام کرنے میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوا۔

"دکن ریویو" دکن کے ان ماہناموں میں شمار ہوتا ہے جنھوں نے دنیائے ادب پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ بلاشبہ اس رسالہ کی عمر کوئی طویل نہیں ہے اور جب بھی نکلا ہے تو ہمیشہ خیر و خوبی سے نکلا اس کی وجہ خود ایڈیٹر کی زندگی کے مد و جزر ہیں۔ ظفر علی خاں ہندوستان کی قومی تحریک سے وابستہ ان معنوں میں نہیں رہے جیسے محمد علی جوہر اور شوکت علی رہے ہیں اس وجہ سے دکن ریویو "کامریڈ" نہیں بن سکا۔ خود دکن میں ایک مضبوط شخصی حکومت قائم تھی اور اس زمانہ میں بادشاہ وقت سے بغاوت کا کوئی تصور بھی نہیں تھا بلکہ بادشاہ ظل سبحانی سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے ظفر علی خاں نیم سیاسی آدمی ہونے کے باوجود دکن ریویو محض ادبی، سماجی اور مذہبی رسالہ تھا، ہاں کبھی کبھی ملک کے سیاسی حالات پر ایک آدھ مضمون ضرور شائع ہوتا رہا ہے۔ بلکہ بعد کو پنجاب سے شائع ہونے والے "زمیندار" اور دکن ریویو میں خود فرق موجود ہے۔ یہ فرق در حقیقت ان سیاسی حالات کا ہے جو شمال اور دکن میں موجود تھے۔ دکن کی گود میں آباد خوابوں کی بستی حیدرآباد ۱۹۴۸ء سے پہلے تک طوفان خیز تبدیلیوں اور ہنگامہ آرائیوں سے ہمیشہ محفوظ رہی اس وجہ سے یہاں سے نکلنے والے اخبارات اور رسائل میں سنسنی اور ہنگامہ خیزی کا کوئی شائبہ بھی موجود نہیں تھا بلکہ ان رسائل و اخبارات کی توجہ اصلاح و تہذیب اور اصلاح معاشرہ پر لگی رہی۔ دکن ریویو بھی اپنے پیش رو رسائل کی طرح تہذیبی، سماجی، مذہبی اور ادبی مضامین کو پیش کرتا رہا ہے۔

ظفر علی خاں خود شاعر اور خود ادیب بھی تھے اس وجہ سے دکن ریویو کے معنوی حسن میں اضافہ کرنے کے لیے انھوں نے ہمہ گیر شہرت رکھنے والے ادیبوں اور شاعروں کا تعاون حاصل کیا۔

سید فضل المتین

نیا سال

پھر مسافر چلے اک نئی راہ پر
پھر نئی منزلوں کی ہوئی جستجو
پھر ہوئی رہنما اک فکر رسا
پھر بعنوان نو چھڑ گئی گفتگو

پھر کوئی شمع احساس روشن ہوئی
محفل آگہی جگمگانے لگی
پھر نئے خواب ذہنوں پہ چھانے لگے
اک حقیقت نئی مسکرانے لگی

پھر نیا سال آیا جلو میں لیے
کچھ نئی الجھنیں کچھ نئے مسئلے
پھر ہوئی زندگی سرگراں دوستو!
پھر ہیں پیش نظر کچھ نئے مرحلے

ظفر علی خاں خود بھی لکھتے تھے۔ ان کے علاوہ محفوظ علی، سلطان محمد خاں، مظہر حسن خاں، عزیز الدین (فنشی کالمست)، راحت حسین شمرت شمسی اور سید [illegible] حسین بیرسٹر ایٹ لا آگرہ آباد وغیرہ کے علاوہ دیگر ادیبوں اور شاعروں کی نگارشات شامل ہوا کرتی تھیں۔

جب دکن ریویو کا سلسلہ جدید شروع ہوا تو ملک بھر کے تمام روزناموں اور رسائل نے اس کا خیر مقدم کیا۔ نیر اعظم (مراد آباد) رسالہ ید بیضا (سکندرآباد۔ بلند شہر) اور مخبر دکن (مدراس) نے اس پر تبصرے کیے۔ چنانچہ "مخبر دکن" لکھتا ہے:

"ہر علم دوست اہل دکن کی آرزو تھی کہ نکلنے کو ہیں کیونکہ پھر دکن ریویو بڑے ہی انتظار کے بعد نہایت آب و تاب کے ساتھ اپنے مولد یعنی حیدرآباد فرخندہ بنیاد سے شائع ہونے لگا ہے ہم نے اس کے سلسلہ جدید کے اسلام نمبر سلک دوم کی ایک ایک سطر کو پوری توجہ کے ساتھ ملاحظہ کیا اور اختتام پر یہ رائے قائم کرنے کی مسرت حاصل کی کہ دکن کے اس روح پرور چمن کے اپنے معاصرین سے فائق ہونے میں اگر کسی کو کچھ کلام ہو بھی تو یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ وہ کسی سے کم پایہ بھی نہیں ... ہمارے کرم دوست مولانا ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے جیسے فاضل انشاء پرداز اور جامع مذاق نوجوان ناظم نے اس کو غایت درجہ دلآویز اور قابل قدر بنانے میں جہد بلیغ کی ہے اور لطف یہ کہ معزز ایڈیٹر کی نقاد نگاہوں نے چوٹی کے انشاء پردازوں کو اپنے رسالہ کی رونق دوبالا کرنے کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ بس جب یہ سازو سامان ہیں تو پھر ریویو جیسے کہ وہ ہے نہ ہو تو کیا ہو ...!!

غرض ان سطور سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ دکن ریویو ایک اعلیٰ درجہ کا علمی رسالہ ہے اور اس کے معاونین بڑے بڑے فاضل اور قلم کے دھنی ہیں ... قدر دانان علم کو ایسے انمول جواہر کی قدر کرنی چاہیے"[۱]

مولوی مرزا ہادی عزیز لکھنوی کی رائے میں "ہندوستان کے تمام اردو رسائل میں بہ اعتبار مذاق علمی اگر کوئی رسالہ ہے تو یہی ہے میں اس رسالہ کا سچا ہمدرد اور بہی خواہ ہوں"۔ ویسے بہی خواہوں کی تعداد

۱۔ دکن ریویو جنوری ۱۹۰۰ء

جو نکہ بحر میں لکھنے ہوئے بچے کم نہ تھی۔ سلسلہ جدید کے لکھنے والوں میں عبدالحلیم شرر، لعل نگم، دستگیر اکبر آبادی، رضا علی وحشت، مشوق حسین جواد علی عاقل، مولوی عبدالحق اور شبلی نعمانی کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔ حالی کی قدیم غزلیں (رضا علی وحشت)، دیوان حافظ کی فالیں (دو مسلم جیراج پوری)، ہندی قوم اور قومی زبان (ڈپٹی لال نگم)، فارسی شاعری کا چوتھا دور (شبلی نعمانی)، شبلی اور شاد اور (سید اکبر حسین)، سر سید احمد کی دینی برکتیں (عبدالحلیم شرر) اور منوچہری (شبلی) ادبی اور تنقیدی نقطۂ نظر سے اہم مضامین ہیں۔

ہندی زبان کو بدلے ہوئے حالات میں قومی زبان کا اعزاز حاصل ہو چکا ہے لیکن اردو زبان کے ساتھ کی گئی ناانصافی قوم اور ملک دونوں کے لیے بے شمار مسائل پیدا کرنے کا سبب بن گئی۔ ملک و قوم کی سالمیت اور بقا کے لیے لسانی مسئلہ بھوت بن گیا ہے اور اسی لسانی تعصب کی وجہ سے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کا تعلق اور رشتہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اردو زبان سے ہمارے معماران دستور ہند نے کوئی انصاف نہیں کیا اس سے اردو زبان کو کس حد تک نقصان پہنچا ہے ہمیں فکر بھی نہ ہوتی لیکن یہ بات پوری قوم کے لیے خطرناک بن گئی۔ اردو زبان کی مشترکہ اہمیت آج سے نہیں قدیم سے ہے۔ قومی تاریخ میں ساٹھ سال کا عرصہ کوئی معمولی تو نہیں ہوتا زمانہ بدل جاتا ہے نسلیں جگہ لیتی جاتی ہیں، نئی قدروں اور نئی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے اور قسطنطنیہ ہوتے محلوں میں بھی جدیدیت کہنگی کا لباس اوڑھ لیتی ہے یا پھر "لباس فاخرہ" اڑھا دیا جاتا ہے لیکن سچائی جیسے جیسے زمانہ گذرتا جاتا ہے زیادہ حقیقت افروز اور ٹھوس بنتی جاتی ہے۔ ڈپٹی لال نگم نے ایسی ہی ٹھوس اور مضبوط سچائی کو اپنے مضمون ہندی قوم اور قومی زبان میں منکشف کیا تھا[1]

"چونکہ آج کل مشترکہ زبان بنانے کا چرچا بہت زوروں پر ہے اس لیے اگر جلد ہی کوئی زبان اس غرض کے لیے تجویز کرلی گئی تو بہتر ہوگا ورنہ عرصۂ دراز گزرنے کے بعد ممکن ہے کہ یہ جوش اور رنگا رنگی سرد پڑ جائے۔ سنسکرت یا عربی زبان کو مشترکہ زبان بنانے کے وقت تک اس جوش و خروش کا ٹھنڈا پڑ جانا ممکنات سے ہے اور پھر یہی مثل صادق آئے گی کہ "تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود" پس ایک قوم کے ممبر ہونے کے لیے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اردو ہی کو قومی و ملکی مشترکہ زبان بنانے کی کوشش کریں"

ستمبر ۱۹۰۸ء میں شہر آرزو رود موسیٰ کی طغیانی کی لپیٹ میں آگیا۔ خوابوں کی بستی حیدرآباد آب موسیٰ میں گھر گئی۔ جو جانی و مالی نقصانات ہوئے اس کا اندازہ امر محال ہے۔ اس تعلق سے بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے واقعات و حادثات پر بہت کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء کے شمارے میں دکن ریویو نے تفصیلی مضمون شائع کیا۔ اور یہ لکھا۔ اس طغیانی خود دکن ریویو کا اکتوبر کا شمارہ نذر آب ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بادشاہ وقت میر محبوب علی خاں اور ولیعہد میر عثمان علی خاں نے جو امدادی کام کیا تھا اس کو بھی تحسین نگاہوں سے دیکھا گیا۔ اس سلسلہ میں اکتوبر کا یہ شمارہ دستاویزی اہمیت رکھتا ہے۔

دکن ریویو کے شمارہ فروری ۱۹۰۵ء میں ایک انعامی مقابلہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس مقابلہ میں اول آنے والے مضمون نگار کو مبلغ صہ روپیہ انعام دیا گیا۔ اس سلسلہ میں نظام الدین احمد ایم۔ اے بیرسٹر ایٹ لا اور سکریٹری مجلس وضع آئین و قوانین کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ اور اراکین میں شبلی نعمانی، بشیر الدین احمد ناظم نظم جمعیت، سید نور الضیاء الدین صاحب مفتی عدالت العالیہ، مولوی حبیب الدین اسسٹنٹ فائنانس سکریٹری اور ملا عبد القیوم صاحب معتمد حجاز ریلوے شامل تھے سید جلال اور سید ابراہیم کے مضامین کو انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ چنانچہ دونوں مضمون نگاروں میں مبلغ صہ صہ روپیہ تقسیم کیے گئے اور مضامین "مصنوعات دکن" کے عنوان سے اگلے شماروں میں شائع کیے گئے۔

مختصر یہ کہ دکن کے ادبی رسائل کی تاریخ میں "دکن ریویو" اہم ترین رسالہ ہے اور اس کے تذکرے کے بغیر تاریخ صحافت دکن مکمل نہیں کہلائی جا سکتی۔

---

[1] دکن ریویو اگست ۱۹۰۸ء ص ۳۴

مراسلات

علامہ سیماب داغ کے شاگرد تھے

۸ نومبر ۱۹۹۷ء کے "ہماری زبان" میں دیویندر پرشاد سکسینہ جاپوتی نے اپنے مضمون "پنڈت تربھون ناتھ زتشی زار دہلوی" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "پروفیسر نفیس سندیلوی نے "نگار" داغ نمبر ۱۹۵۳ء میں "داغ کے مشہور تلامذہ" پر ایک مقالہ لکھا ہے اس میں ان کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ اس مقالہ میں بعض ایسے حضرات کا ذکر کیا ہے جو داغ کے شاگرد نہیں تھے جیسے جگر مرادآبادی اور سیماب اکبرآبادی"

مجھے حیرت اور سخت حیرت ہے کہ سکسینہ صاحب نے روز روشن کو شب دیجور کہا ہے۔ خود علامہ سیماب نے دسیوں جگہ لکھا ہے کہ وہ داغ دہلوی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ عام تذکرہ کی کتابوں کو جانے دیجیے، علامہ سیماب کی کتاب "حیات داغ" سے بعض اقتباس پیش کیے دیتا ہوں، تاکہ سکسینہ صاحب اپنی غلطی پر نظرثانی کرلیں۔

"حیات داغ" میں دبیرالدولہ، فصیح الملک، بلبل ہندوستان، ناظم یار جنگ، استادالسلطان، جہان استاد نواب مرزا خاں صاحب داغ دہلوی مرحوم کے حالات درج ہیں۔ اس کتاب کے مرتب ابوالنظر حضرت سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی ہیں۔ کتاب کی ضخامت ۱۴۱ صفحے ہے اور اسے دارالاشاعت رسالہ صوفی پنڈی بہاءالدین ضلع گجرات پنجاب کے لیے اسلامیہ سٹیم پریس کی وساطت لاہور نے باہتمام حافظ مظفرالدین چھاپا ہے۔

دیباچہ میں علامہ سیماب اکبرآبادی لکھتے ہیں: "آج ہندوستان میں مرزا صاحب کی سینکڑوں سوانح عمریاں موجود ہیں اور ہر مولف نے بجائے خود ان کی لائف اور ان کی شاعری پر تنقید کی ہے۔ ہم بھی مرزا صاحب کے ایک ادنیٰ شاگرد ہونے کی حیثیت سے ان کی مقدس زندگی پر آج کچھ لکھنے بیٹھے ہیں۔"

"جب کہ مرزا صاحب مرحوم و مغفور حیدرآباد دکن میں سلطنت سخن کے بادشاہ بنے بیٹھے تھے، میں بھی ایک خادم اور غاشیہ بردار کی حیثیت سے اسی دربار کا ایک خوشہ چیں تھا۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک استاد مرحوم کی محبت بھری نگاہیں مجھے "آگرہ" اور "کانپور" میں نوازتی رہیں، اور میں نے جو فیوض اس مرحوم ذات کے تعلق سے اٹھائے وہ کچھ میرا ہی دل خوب جانتا ہے۔"

صفحہ ۲۲ پر علامہ سیماب رقمطراز ہیں: "ایک مرتبہ میری غزلیں دو مہینے تک بعد اصلاح واپس نہ آئیں تو میں نے تنگ آکر ایک شکایت نامہ ذرا سخت لہجے میں لکھ دیا۔ جس کے جواب میں مرزا صاحب نے مندرجہ ذیل خط مجھے لکھا: بھائی! حضور شکار میں مصروف ہیں۔ گرمی بلا کی پڑ رہی ہے۔ جب شہر سے فرصت ملتی ہے تو شعر سوجھتا ہے۔ تم خفا ہوئے، خیر، ہر چہ از دوست می‌رسد نیکوست۔ تمہارا داغ دہلوی"

صفحہ ۹۰ پر ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمایئے: "ایک مرتبہ میں نے چند لکھنؤ اور دہلی کے محاورات کے متعلق کچھ دریافت کیا تو اس کے جواب میں لکھا "ہاں تمہارا خیال صحیح ہے۔ لیکن ہمارے یہاں حضور، پیرومرشد اور بادشاہ کو کہتے ہیں، معشوق کو نہیں کہتے۔ لکھنؤ والے کچھ بھی کہیں، ہم تو اپنی وضع نہیں چھوڑ سکتے۔ تمہاری غزل کے کیا کہنے۔ لیکن کیا میری محنت کی داد نہ دو گے؟"

اب بھی اگر سکسینہ صاحب کی تشفی نہیں ہوئی ہے تو مزید ثبوت فراہم کیا جاسکتا ہے۔

(مناظر عاشق ہرگانوی)

نشور واحدی کی غزل اور بحر و وزن

(۱)

"ہماری زبان" یکم دسمبر ۹۷ء میں جناب ثاقب صدیقی نے جناب نشور واحدی کی ایک غزل کی بحر و وزن دریافت فرمایا ہے۔ غزل کے ۴ شعر بھی درج ہیں جس کا مطلع یہ ہے:-

میں ابھی سے کس طرح ان کو بے وفا کہوں
منزلوں کی بات ہے راستے میں کیا کہوں

یہ بحر کوئی غیر معروف یا انجانی ہوئی نہیں ہے۔ بیسوں شعراء کی غزلیں اس بحر میں موجود ہیں۔ پچھلے ماہ بھوپال میں بھی ایک مشاعرہ اسی بحر میں ہوا جس کا مصرعہ طرح یہ تھا:-

گلستاں میں آئے جب گلستاں نکھر گیا

اس مشاعرے میں ۲۵ شعراء نے غزلیں کہیں۔ میں بھی شریک تھا۔

بہرحال اس بحر کا نام "ہزج مثمن مقبوض اشتر" ہے۔ اور اس کی تقطیع اس طرح ہوگی:-

"میں ابھی	سے کس طرح	ان کو بے	وفا کہوں
فاعلن	مفاعلن	فاعلن	مفاعلن

نشور صاحب کی پوری غزل کے اشعار اسی بحر و وزن میں ہیں۔

(شفا گوالیاری۔ بھوپال)

(۲)

"ہماری زبان" بابت یکم دسمبر ۹۷ء کے صفحہ ۸ پر ثاقب صاحب کا استفسار نظر سے گذرا۔ جناب نشور واحدی اردو کے ایک باخبر و اہل نظر ہنرمند شاعر ہیں۔ ان سے یہ توقع کہ وہ بے وزن اور بے بحر غزلیں لکھنے لگیں گے، غلط ہوگی۔ موصوف محترم کے پیش نظر اشعار کی تقطیع کرنے سے جو وزن برآمد ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہے:-

مے اَبی	سِ کس طرح	اُن کُ بے	وفا کہو(ں)
فاعلن	مفاعلن	فاعلن	مفاعلن
منزلو	کبات ہے	راستے	مِ کیا کہو(ں)
فاعلن	مفاعلن	فاعلن	مفاعلن

علیٰ ہٰذا القیاس الیٰ آخرہ

یہ وزن اگرچہ مروج نہیں ہے، پھر بھی میں اسے جس بحر سے ماخوذ اور قریب تر پاتا ہوں وہ ہے "بحر ہزج مثمن اشتر" یعنی فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن دو بار

محترمی نشور صاحب نے اگر کوئی جدت کی ہے تو بس یہ کہ اس وزن میں رکن مفاعیلن کو بھی مقبوض کر دیا اگرچہ اساتذہ کے یہاں میری نظر سے ایسی کوئی مثال نہیں گذری ہے پھر بھی اگر عروض کے اس وزن کو ہم کوئی نام دیں گے تو وہ ہوگا

"بحر ہزج مثمن اشتر مقبوض"

"اشتر" کا زحاف بذات خود اجتماع خرم وقبض ہے جو مخصوص ہے رکن مفاعیلن کے لیے۔

بھائی میرے! آج جبکہ اردو شاعری کے آسمان پر جدیدیت کا علم لہرا رہا ہے اور بے بہرہ نثر کے چند منتشر ٹکڑوں کو الٹ پلٹ کر نظم کہہ رہا ہے اور شاعر بنا بیٹھا ہے (مثلاً احمد ہمیش، افتخار جالب وغیرہم) تو بے چارے نشور صاحب نے اگر غنائیت کو مد نظر رکھ کر ایک تبدیلی کر لی تو کیا گناہ کیا؟ غنائیت سے نشور صاحب کا تعلق کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اور کیا اردو یا فارسی میں کوئی خاتم العروضیین پیدا ہو چکا؟ (علمی رضوی برقی)

(۳)

ہماری زبان کے یکم دسمبر ۹۱ء کے شمارے میں جناب ثاقب صدیقی نے حضرت نشور واحدی کی ایک غزل کی بحر اور وزن کے بارے میں استفسار فرمایا ہے۔ مذکورہ غزل کا مطلع یہ ہے:-

میں ابھی سے کس طرح ان کو بے وفا کہوں
منزلوں کی بات ہے راستے میں کیا کہوں

جواباً عرض ہے کہ اس غزل کی بحر کا نام "بحر ہزج اشتر مقبوض مثمن" ہے اور اس کا وزن "فاعلن مفاعلن فاعلن مفاعلن" ہے۔ نیز یہ بحر مروج اور مستعمل ہے۔ فانی بدایونی کی ایک غزل بھی اس بحر میں ہے جس کے دو شعر درج ذیل ہیں:-

بے خودی کدھر گیا وہ حجاب اضطراب
کیا ہوا جو فرق تھا ہجر اور وصال میں
آدمی میں کچھ نہیں آپ نے سمو دیا
عالم غبار کو عالم خیال میں

مجھے امید ہے کہ اب جناب ثاقب صدیقی کی تشفی ہو جائے گی اور اگر انھیں نشور صاحب کی غزل کے متعلق کوئی شبہ رہا ہوگا تو وہ دور ہو گیا ہوگا۔

(ناجی انصاری)

(۴)

نشور کانپوری کے جو اشعار ثاقب صاحب نے مراسلے میں دیے ہیں وہ "بحر ہزج" میں ہیں اور باعتبار زحافات بحر کا نام اشتر و مقبوض ہے۔ حسب ذیل تقطیع ذہن نشین فرما لیں:-

مصرعِ اول — مصرعِ ثانی

فاعلن	مفاعلن	فاعلن	مفاعلن
میں ابھی	سے کس طرح	اُن کو بے	وفا کہوں
منزلو	ں کی بات ہے	راستے	میں کیا کہوں
اے مری	ہیں میکدہ	خون زن	دگی نہ پی
تو شرا	ب گر پئے	تجھ کو پا	رسا کہوں
حسن ہے	نقاب پہ	کو یہ بھر	دو ڈال لو
تم اسے	صنم کہو	میں اسے	خدا کہوں
غیر سے	نہ حالِ غم	پوچھئے	رہے مگر
دوستو	کہو بات ہے	دشمنو	اک کا کہوں

(رئیس نعمانی)

کچھ ایک شعر کے سلسلے میں

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

اس شعر سے متعلق یکم مئی ۹۰ء کے ہماری زبان میں جناب سید مسعود حسین صاحب نے لکھا ہے کہ یہ شعر مومن کے شاگرد میر حسین تسکین کا ہے۔ معاملہ یہ شعر مومن ہی کے ایک شاگرد خیر الدین یاس کا ہے

اس شعر کی تخلیق کے سلسلے میں یہ لطیفہ بھی مشہور ہے کہ "ایک دن صبح صبح مومن کے پاس یاس صاحب نے آکر کہا کہ استاد ایک مصرع کہا ہے ع

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

رات بھر پہلا مصرع لگانے کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مومن نے اسی وقت شعر اس طرح مکمل کر دیا:-

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی"

(نور الحسن انور ادیب)

ایک گذارش

مجھے ایک ضروری کام کے سلسلے میں گوشہ سے شائع ہونے والے ایک ماہنامہ "گلدستۂ گیت" کا فروری ۱۹۸۰ء کا شمارہ چند دنوں کے لیے عاریتاً درکار ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس "گلدستۂ گیت" کا مذکورہ شمارہ ہو تو براہ کرم عنایت فرمائیں۔ اس کا ڈاک خرچ میرے ذمے ہوگا۔

پریم پال اشک، ۱۰۹۵۱، وزیر سنگھ اسٹریٹ
چونا منڈی۔ پہاڑ گنج
نئی دہلی ۵۵

جناب حبیب الرحمٰن معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کا اخباری بیان

سال گزشتہ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی ضلعی شاخوں کے صدر، معتمدین اور دوسرے اردو کے کارکنوں اور ہمدردوں کا ایک اجتماع عمل میں آیا تھا۔ اس اجتماع کے جو مفید نتائج برآمد ہوئے اس کے پیش نظر ۷ اور ۸ جنوری ۶۸ء کو حیدرآباد میں انجمن کی جانب سے ایک اور اجتماع بلایا گیا۔ پہلے روز یعنی ۷ جنوری کو انجمن کی شاخوں کے صدر، نائب صدر اور معتمدین کا سہ پہر میں تین بجے اردو ہال میں خصوصی اجلاس ہوا جس میں زیادہ تر تنظیمی امور پر غور کیا گیا۔ دوسرے دن یعنی ۸ جنوری کو صبح ۹ بجے سے جو جلسہ ہوگا اس میں اضلاعی شاخوں کے صدر اور معتمدین کے علاوہ نہ صرف شہر حیدرآباد کے بلکہ اضلاع سے آنے والے ہمدرد اور دوسرے کارکن بھی شریک ہوں گے اور آندھرا پردیش میں اردو کو جو مسائل درپیش ہیں ان پر غور کیا جائے گا۔ سرکاری زبان کے قانون کی عمل آوری کو موثر بنانے کے لیے انجمن نے حکومت کو حال میں ایک یادداشت پیش کی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ واضح قانونی تحفظات کے ذریعہ اردو کو اس کا جائز مقام دیا جائے مگر جب تک انجمن کے اس مطالبے کو منوانے کے لیے موثر رائے عامہ ہموار نہ کی جائے مسئلہ جوں کا توں باقی رہ سکتا ہے۔ اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کیا جا کر جامع لائحہ عمل مرتب کیا جائے گا تاکہ اس کی روشنی میں انجمن کی جانب سے کوئی موثر قدم اٹھایا جا سکے۔ اس کے علاوہ اردو کے تعلق سے حکومت کی متعلقہ پالیسی پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے اردو کارکنوں کو آئے دن جو مشکلات پیش آتی ہیں ان پر غور کیا جائیگا اس لیے میں انجمن کی شاخوں کے عہدہ داروں اور اردو کے دوسرے کارکنوں اور ہمدردوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اردو کی بقا و تحفظ کے لیے جو جد و جہد جاری ہے اس کو تقویت پہنچائیں۔

(مرسلہ سری نواس لاہوٹی)

انجمن ترقی اردو ریاستی شاخ پنجاب کی مجلس عاملہ کے اجلاس کی روداد

ریاستی انجمن ترقی اردو پنجاب کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ ۱۹ دسمبر کو پٹیالہ میں منعقد ہوا۔ صدارت پورن سنگھ ہنر صاحب نے کی۔ مندرجہ ذیل اراکین حاضر تھے۔

۱۔ سردار پورن سنگھ ہنر
۲۔ جناب نوبہار صابر
۳۔ محمد کفایت اللہ
۴۔ جناب موہن لال سلکھی
۵۔ سورج تنویر۔

ان کے علاوہ انجمن کے رکن جناب نور محمد فاروقی، پٹیالہ ضلع کے آرگنائزر جناب کنور رچپال، مسلم وقف بورڈ کے ممبر جناب غلام صابر اور مقامی شاخ کے اراکین سروشری ساغر شفائی، مہیش پٹیالوی اور جوہر بھارتی خاص دعوت پر شریک ہوئے۔ عہدہ داروں کے علاوہ انجمن کے اراکین جناب کرپال سنگھ بیدار، جناب سہیل عظیمی اور جناب مہر چند کوثر کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی لیکن وہ اپنی مصروفیات کے باعث شریک اجلاس نہ ہو سکے۔

ایجنڈا میں (۱) سرگرمیوں کی رپورٹ (۲) سالانہ کانفرنس کا انعقاد (۳) اردو درسگاہوں کا قیام (۴) انضباطی کارروائی (۵) متفرقات وغیرہ مدات شامل تھیں۔

جنرل سکریٹری نے سابقہ رپورٹ پیش کی اور صوبائی شاخ کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا: "انجمن ریاست میں اپنی تنظیم اور اردو کی خدمت کے لیے امکان بھر کوشش مسلسل جاری رکھے ہوئے ہے۔ اگرچہ اسے ضروری کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں لیکن انجمن ان کامیابیوں سے پوری طرح مطمئن نہیں۔ انجمن اپنے کام کو نیز دائرہ عمل کو وسیع اور سرگرمیوں کو موثر بنانے میں لگاتار مصروف ہے۔ تاہم حالات کی ناسازگاری اور دیگر ناگزیر مشکلات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جو انجمن کی راہ میں حائل ہیں۔" اس کے بعد انجمن کی تنظیم کے کام کا پہلی بار جائزہ لیا گیا اور فیصلہ کیا گیا: "ضلع آرگنائزروں کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنے ضلع کے تمام شہروں اور قصبوں میں جہاں ابھی انجمن کی شاخ نہیں ہے قائم کریں۔ اور انجمن کے صوبائی دفتر کو ۳۱ دسمبر تک اپنی سرگرمیوں کی تفصیل سے آگاہ کریں۔"

ریاستی اردو کانفرنس

انجمن کی سالانہ ریاستی کانفرنس کے انعقاد پر غور کیا گیا۔ جنرل سکریٹری نے بتایا کہ اب تک ریاستی دفتر کو سمرالہ، پٹیالہ، کھنہ، مالیرکوٹلہ اور لدھیانہ شاخوں کی جانب سے پیش کش موصول ہو چکی ہے۔ ان شاخوں میں سے ہر ایک نے دعوت دی ہے کہ اگر انجمن اپنی سالانہ ریاستی اردو کانفرنس ان کے شہر میں منعقد کرے تو مقامی شاخ کانفرنس کے تمام اخراجات کا بار برداشت کرنے پر آمادہ ہے۔ غور کے بعد انعقاد کانفرنس کے لیے مقام کے انتخاب کا فیصلہ آئندہ میٹنگ پر ملتوی کر دیا گیا۔

اردو درس گاہوں کا قیام

اردو درسگاہوں کی اہمیت اور ضرورت کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا۔ ہاؤس کی متفقہ رائے تھی کہ اردو کی ابتدائی درسگاہوں کا قیام ہر صورت عمل میں لایا جائے۔ اس کام کے لیے جہاں سے جتنا تعاون حاصل ہو سکے قبول کیا جانا چاہیے۔ درسگاہوں کے قیام کی ایک جامع اور قابل عمل تجویز پیش کی گئی جس کی روشنی میں فیصلہ کیا گیا کہ انجمن کی ہر مقامی شاخ اردو کی ابتدائی تعلیم کا مدرسہ قائم کرے۔ مدرسہ چلانے کے لیے پنجاب سرکار، وقف بورڈ اور مقامی مخیر اردو دوستوں سے مالی امداد اور تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ مدرسہ چلانے کے لیے مقامی طور پر ایک انتظامیہ کمیٹی قائم کی جائے۔ یہ کمیٹی انجمن، وقف بورڈ، سرکار اور مدرسہ کے لیے مقررہ سالانہ مالی امداد مہیا کرنے والے اردو دوستوں پر مشتمل ہو۔ اجلاس میں شریک وقف بورڈ کے ممبر جناب غلام صابر سے اپیل کی گئی کہ وہ اس سلسلہ

ہیں انجمن کی تجویز بورڈ کے روبرو پیش کرکے بورڈ کو امداد و تعاون پر آمادہ کریں۔ موصوف نے یقین دلایا کہ وہ بورڈ میں جلد یہ تجویز پیش کریں گے اور بورڈ اس مقصد کے لیے عمارت اور دوسرے وسائل مہیا کیے جانے کا ضروری انتظام کرے گا۔

شری موہن لال سنھی نے بتایا کہ انجمن کی لدھیانہ شاخ شہر میں اردو کی درسگاہ قائم کرنے کی اس تجویز کو جلد از جلد عملی جامہ پہنانے والی ہے۔ فیصلہ ہوا کہ درسگاہوں کے قیام کی جامع سکیم انجمن کی ہر شاخ کو جلد از جلد سرکولیٹ کر دی جائے۔ نیز حکومت پنجاب اور وقف بورڈ کے سامنے اس کی وضاحت کی جائے۔

انضباطی کارروائی

انجمن کے بعض اراکین کی تخریبی اور انتہا پسندانہ کارروائیوں پر غور کیا گیا۔ لدھیانہ شاخ کی طرف مقامی شاخ کے اراکین سردو شری شوق، قمر نسیم، گوہر اور منور شمش اور الیر کوٹلہ کی شاخ کی طرف سے ریاستی اڈہاک کمیٹی کے رکن شری نرلیش ... کی سرگرمیوں پر کڑی نکتہ چینی کی گئی۔ رپورٹس کے مطابق جنرل سکریٹری نے بتایا کہ ان اصحاب کے خلاف ریاستی دفتر کو وقتاً فوقتاً شکایات موصول ہوتی رہتی ہیں اور ان حضرات سے بار بار تعاون کی اپیل اور ہر طرح کی تلقین بے اثر ثابت ہو چکی ہے۔ نتیجۃً بالاتفاق یہ فیصلہ ہوا کہ ان اصحاب کو انجمن کی رکنیت سے خارج کر دیا جائے۔ ہاؤس نے ریاستی دفتر کو تاکید کی کہ متعلقین کو اس فیصلے سے فوراً آگاہ کر دیا جائے۔ ریاستی اڈہاک کمیٹی کے رکن شری ساحر ساحلی کی قابل اعتراض سرگرمیاں بھی زیر بحث آئیں۔ موصوف کی انتشار پسندانہ سرگرمیوں کے علاوہ یہ سوال بھی زیر بحث آیا کہ ... ممبر موصوف کی ملازمت چونکہ ہریانہ کو منتقل ہو چکی ہے لہٰذا وہ پنجاب اڈہاک کمیٹی کے رکن نہیں رہ سکتے۔ ہاؤس نے ریاستی دفتر کے ذمہ لگایا کہ وہ انجمن کے مرکزی دفتر کو اس جانب توجہ دلائے اور مناسب کارروائی کے لیے مرکزی ہدایات طلب کرے۔ فوری انضباطی فیصلوں کے لیے جناب تو بہار صابر صاحب، محمد کفایت اللہ اور سورج تنویر پر مشتمل ایک سہ رکنی سب کمیٹی نامزد کی گئی۔

متفرقات

متفرقات کے ضمن میں فیصلہ کیا گیا کہ (1) ریاستی شاخ کی نگرانی کے بغیر کوئی ماتحت شاخ اپنے انتخابات عمل میں نہ لائے ورنہ ایسے انتخابات کالعدم قرار دیے جا سکیں گے۔ (2) انجمن کی طرف سے پنجاب سرکار کو ایک میمورنڈم پیش کیا جائے۔ میمورنڈم کا مسودہ شری محمد کفایت اللہ جنرل سکریٹری کے مشورے سے تیار کریں گے۔ یہ میمورنڈم پنجاب کے منسٹر تعلیم اور ڈائرکٹر محکمہ السنہ کی خدمت میں انجمن کے اراکین کا ایک وفد پیش کرے گا۔ وفد میں شرکت کے لیے سردار گیان سنگھ راڑے والا، سردار اودے سنگھ شائق، شری مہر چند آہوجہ، سورج تنویر، شری محمد کفایت اللہ، پروفیسر کرپال سنگھ بیدار، جناب تو بہار صابر، سردار پورن سنگھ ہنر، میاں محمد صابر کو نامزد کیا گیا۔

اجلاس میں مندرجہ ذیل قراردادیں بہ اتفاق پاس ہوئیں:۔

(1) انجمن کے اخراجات کے لیے پنجاب سرکار سے سالانہ مالی امداد کا مطالبہ (2) پنجاب سرکار سے اردو تعلیم کے لیے سہولیات کا مطالبہ۔ (3) پنجاب سرکار کی طرف سے اردو اخبارات کو دیئے جانے والے اشتہارات میں تخفیف کا فیصلہ واپس لینے کا مطالبہ۔ (4) پنجاب وقف بورڈ کی طرف انجمن کو مالی امداد دیے جانے کی تجویز کا خیر مقدم اور شکریہ نیز مستقل سالانہ امداد کا مطالبہ۔ (5) میزبانوں کا شکریہ۔

انجمن کا آئندہ اجلاس 31 دسمبر 1968 کو لدھیانہ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس میں انجمن کے جملہ اراکین اور تمام ضلع آرگنائزر بھی شرکت کریں گے۔

(سورج تنویر جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو پنجاب)

ریاستی شاخ بہار کی کونسل کی ایک نشست

پٹنہ۔ 22 دسمبر۔ آج یہاں انجمن اسلامیہ ہال میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی کونسل کی نشست زیر صدارت جناب غلام سرور صدر انجمن ترقی اردو بہار ہوئی جس میں مندرجہ ذیل تجویزیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں:۔

تجویز نمبر 1: انجمن کی کونسل کا یہ جلسہ تمام حقائق پر غور کرکے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ بہار کی اردو آبادی اور بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کو متعدد وعدوں کی موجودہ ریاستی حکومت سے اپنے لسانی مسئلے کے حل کے متعلق جو توقعات تھیں وہ پوری نہیں ہو سکیں۔ لہٰذا کونسل کا یہ جلسہ موجودہ ریاستی حکومت کے اردو کے بارے میں اس رویہ سے اپنی قطعی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ ریاستی انجمن نے حکومت بہار سے اپنی حمایت واپس لے لی ہے۔ جلسہ یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ اردو کے مسئلہ پر آئندہ اقدامات کی تفصیل بہت جلد مرتب کرکے شائع کر دی جائے۔

تجویز نمبر 2: انجمن کی کونسل کا یہ جلسہ طے کرتا ہے کہ انجمن کا آئندہ انتخاب ہر حال میں 2 یا 3 مارچ کو ہو جائے۔

تجویز نمبر 3: بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی کونسل کے اسی جلسے نے بہ اتفاق رائے تجویز منظور کی کہ صدر انجمن جناب غلام سرور سے درخواست کی جائے کہ وہ انجمن کے آئندہ انتخاب تک اپنے عہدے کے فرائض انجام دیں اور اپنا استعفیٰ نامہ واپس لے لیں۔ اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر ہے کہ انجمن کا آئندہ انتخاب 2 یا 3 مارچ 1968 کو ہوگا۔

(جنرل سکریٹری)

غالب صد سالہ کمیٹی، جموں

صد مہری غالب صد سالہ کمیٹی کی تشکیل کے لیے جموں میں تیس

ممبروں کی ایک تیاری کمیٹی کو قیام عمل میں لایا گیا جس کے صدر ڈاکٹر گیان چند اور کنوینر شری امرت ملہوترہ ہوں گے۔ سید فتح حسین شاہ کاظمی کمیٹی کے خازن ہوں گے۔ تیاری کمیٹی غالب کی مجلس رسمی ۱۵ر فروری کو غالب کمیٹی کے سو ممبروں کی پہلی میٹنگ بلائے گی۔ جب سے ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء تک ملک بھر میں غالب کی سو سالہ برسی منائی جائے گی۔

جموں کی غالب کمیٹی، ریاستی سطح پر اسی مقصد کے لیے بنی کمیٹی سے ملحق ہو گئی ہے اور جموں میں جشن غالب کے سلسلے میں سب تقریبات کا اہتمام کرے گی۔ ریاستی کمیٹی کے صدر گورنر بھگوان سہائے ہیں۔ اور چیرمین وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق ہیں۔ جبکہ پروفیسر عبدالقادر سروری اس کے سکریٹری ہیں۔

تیاری کمیٹی کے ممبران حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ڈاکٹر گیان چند صدر (۲) شری چیت رام چوپڑہ نائب صدر (۳) راؤ رتن سنگھ (خزانچی) (۴) سید فتح حسین شاہ کاظمی (۵) کیپٹن عزیز (۶) جناب نرسنگھ داس نرگس (۷) ظفر حسین (۸) پروفیسر رام ناتھ شاستری (۹) سردار رنگیل سنگھ (۱۰) شری ڈی۔سی پرشانت (۱۱) شیخ فیروز دین (۱۲) لالہ گردھاری لعل آنند (۱۳) قاضی فیروز دین (۱۴) پروفیسر روپ سوشانتھ (۱۵) شری نیلامبر دیو شرما (۱۶) شری سریندر چوپڑہ (۱۷) پرنسپل بی۔ڈی۔ ایل شرما (۱۸) پروفیسر منظر عالمی (۱۹) سردار عبدالحمید خاں (۲۰) پنڈت دیوراج ڈوگرہ (۲۱) شری اوم پرکاش صراف (۲۲) شری موہن یاور (۲۳) پروفیسر غلام رسول آزاد (۲۴) حضرت کشمیری (۲۵) عرش جیلانی (۲۶) شری امرت ملہوترہ کنوینر (۲۷) قادر عزیز ولیم (۲۸) شری ومید بھسین (۲۹) شری ہنسراج پوری (۳۰) شری جنگ لعل سنگل

(سکریٹری غالب صد سالہ کمیٹی، جموں)

خواجہ احمد عباس کی سیفیہ کالج بھوپال آمد

اردو کے مشہور افسانہ نگار اور صحافی خواجہ احمد عباس ۲۰ر دسمبر ۶۸ء کو بھوپال تشریف لائے۔ بھوپال میں یک روزہ مختصر قیام کے دوران انھوں نے مختلف پروگراموں میں شرکت فرمائی۔ شعبۂ اردو سیفیہ کالج میں بھی تشریف لائے۔ یہاں انھوں نے کہا کہ ہمیں حکومت کی سرپرستی کی امید ختم کر کے اردو کو اپنی کوششوں سے آگے بڑھانا ہے اس لیے ہمیں اپنی کوتاہیوں پر نظر کر کے انھیں دور کرنا چاہیے۔ انھوں نے اس بات پر بے اطمینانی کا اظہار فرمایا کہ اردو کی حمایت میں گرمجوشی کا اظہار کرنے والے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خود اپنے بچوں کو اردو کی تعلیم سے محروم کیے ہوئے ہیں۔ جب تک قول وفعل میں آہنگ و توازن پیدا نہ ہو اردو کی ترقی کے امکانات روشن نہیں ہیں۔

انھوں نے شعبۂ اردو کی کارکردگی پر اظہار مسرت کیا کہ باوجود محدود وسائل کے شعبۂ اردو سیفیہ کالج نے بہتر اور تعمیری کام کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔

(ایک نامہ نگار)

جشن نریش کمار شاد

۱۱ر دسمبر ۶۸ء کو اردو کے مقبول و ممتاز شاعر نریش کمار شاد کی چالیسویں سالگرہ زیر صدارت حضرت عرش ملسیانی موتی محل ہوٹل دہلی میں منائی گئی۔ متعدد ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں نے شرکت کی۔ افتتاح گیانی گرمکھ سنگھ مسافر نے کیا۔

"شاد اور اس کی شاعری" کے نام سے ایک کتاب شاد صاحب کو پیش کی گئی۔

(ایک نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو ہند شاخ مرداس (سرونج) کا انتخاب

انجمن ترقی اردو ہند شاخ سرونج کے تمام ممبران کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اور ممبروں کی اتفاق رائے سے انجمن ترقی اردو ہند شاخ مرداس کا انتخاب عہدیداران عمل میں آیا۔ اس جلسہ کی صدارت حاجی عبدالحمید صاحب نے کی۔ عہدیداران کا انتخاب مندرجہ ذیل ہے:۔

(۱) جناب حاجی عبدالحمید خاں صاحب	صدر
(۲) جناب خان محمد صاحب	نائب صدر
(۳) جناب محمد اسحاق صاحب امرائی	نائب صدر
(۴) جناب گل حسن خاں صاحب یعقوبی	جنرل سکریٹری
(۵) جناب وزیر محمد صاحب احمدی	سکریٹری
(۶) جناب محمد اسحاق صاحب رستمی	نائب سکریٹری

اس کے علاوہ مجلس منتظمہ کے لیے ۱۵ ممبران منتخب ہوئے۔

(گل حسن خاں یعقوبی، جنرل سکریٹری)

انجمن ترقی اردو، سورجپورہ کا انتخاب

ڈاکٹر عبدالحی صاحب کی صدارت میں موصوف ہی کی قیام گاہ پر انجمن کے عہدہ داروں کا انتخاب اتفاق رائے سے ہوا۔

(۱) جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب	صدر
(۲) جناب الحاج عبدالحمید صاحب و جناب عبدالستار صاحب	نائب صدر
(۳) جناب مولانا ناظم سیوانی سہسرامی صاحب	جنرل سکریٹری
(۴) جناب سلیم الدین خاں صاحب	نائب سکریٹری

اس کے علاوہ درج ذیل احباب کو ضلعی شاخ کے لیے اس مقامی شاخ کا نمائندہ مقرر کیا گیا۔

(۱) جناب مولانا ناظم سیوانی سہسرامی (۲) جناب سلیم الدین خاں صاحب (۳) جناب غلام غوث صاحب (۴) جناب محمد شمیم صاحب (۵) جناب سری کرشن سنگھ صاحب۔

جملہ عہدیداروں اور ضلعی شاخ کے نمائندوں پر مشتمل ایک مجلس عمل مرتب کی گئی۔

(سلیم الدین خاں، نائب سکریٹری)

تبصرہ
عتیق احمد صدیقی

ببلوگرافیا اردو ڈراما

مرتب : ڈاکٹر عبدالعلیم نامی
صفحات : ۷۰ + ۲۰۸
قیمت : ۲۵ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بمبئی، دہلی

ہندوستانی ڈراما کی تاریخ اگرچہ بہت قدیم ہے کہ اس کا رشتہ شکنتلا جیسے قدیم الایام ڈراموں سے ملتا ہے، لیکن اردو ڈرامہ کی عمر سوا سو سال سے زائد نہیں۔ (نامی صاحب ہی کے قیاس کے مطابق اردو ڈرامہ کا نقطۂ آغاز پندرھویں صدی عیسوی کو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن ابھی تک ایسے نمونے دستیاب نہیں ہوئے جنھیں اس دعوے کی تصدیق میں پیش کیا جا سکے) ڈرامہ کا خاص تعلق اسٹیج سے ہے، جس کی ہندستان میں فنی طور پر زیادہ ترقی نہ ہو سکی اس لیے اردو میں ڈرامہ نگاری کا بھی بہت زیادہ رواج نہیں ہو پایا۔ انیسویں صدی میں اس کا آغاز ہوا اور تھئیٹریکل کمپنیوں خاص طور پر پارسی تھئیٹریکل کمپنیوں کی بدولت ہندستان کے گوشے گوشے میں اردو ڈرامہ عوام و خواص کی تفریح طبع کا سامان بن گیا۔ لیکن سنیما کے سامنے ڈرامہ اور غیر ترقی یافتہ تھئیٹریکل کمپنیوں کا چراغ نہ جل سکا۔ نتیجتہً ڈرامہ نگاری کی طرف بھی توجہ کم ہو گئی۔

تاہم اس قدر کم مدت میں ہی اہل قلم نے اردو ڈرامہ کے دامن کو مالا مال کر دیا۔ آج ڈرامہ کی عدم مقبولیت کے باعث اپنے اس ادبی ورثہ سے ہماری واقفیت بھی بہت کم ہے۔ اس صورت میں ببلوگرافیا اردو ڈراما ایک اہم ضرورت تھی۔ زیر نظر کتاب اس سلسلے کی پہلی جلد ہے۔ اس میں نامی صاحب نے اردو ڈرامہ نگاروں اور ڈراموں کی فہرست پیش کی ہے جس بڑے پیمانے پر نامی صاحب نے اس کام کو تن تنہا سر انجام دینے کا بیڑا اٹھایا ہے، اس کے لیے وہ قابل مبارک باد ہیں۔

اس پہلی جلد میں الف سے ی تک ۹۶۲ ڈرامہ نویسوں کے نام شامل ہیں۔ ان کے ڈراموں کی فہرست دی گئی ہے تاکہ جو لوگ اپنی عدم واقفیت کے باعث اردو ڈرامہ کے متعلق تنگ نظری کا شکار ہیں ان کو یہ بتلایا جائے کہ ہند و پاک کی ہر زبان سے زیادہ اردو میں ڈرامے، اوپیرا اور سنگیت موجود ہیں اور ایسے ڈراموں کی وافر تعداد ہے جو یورپ کے بہترین ڈراموں کے مقابلہ میں پیش کیے جا سکیں۔ سید مسعود حسن رضوی نے واجد علی شاہ کو اردو کا پہلا ڈرامہ نگار قرار دیا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس فہرست سے واجد علی شاہ کا نام یکسر غائب ہے۔

کتاب میں جملہ ڈرامہ نویسوں کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیے گئے ہیں اور پھر ہر نام کے ڈراموں کے ناموں کی فہرست دی گئی ہے۔ کہیں کہیں مقابل میں سن اشاعت بھی درج کیا گیا ہے شاید تمام ڈراموں کے سن اشاعت کا تعین ممکن نہیں ہو سکا حقیقتاً اصل افادیت وضاحتی فہرست کی ہوتی ہے، جس سے ادبی کارناموں کا تعارف ہو سکے اور ساتھ ہی قاری کی ضروری مواد کی طرف رہنمائی ہو سکے۔

اس فہرست کو وضاحتی فہرست نہیں کہا جا سکتا کہ مصنف اور ڈرامہ کے نام کے علاوہ اور کوئی تفصیل اس میں نہیں دی گئی۔ اردو کے وقیع ڈراموں کی ایک خاص تعداد ترجموں پر مشتمل ہے اس میں اس بات کی نشاندہی بھی نہیں کی گئی کہ کون سے ڈرامے ترجمہ ہیں اور کون سے طبع زاد۔ فہرست کو زیادہ مفید بنانے کے لیے اسی طرح کی اور بہت سی تفصیلات کا ذکر کیا جا سکتا تھا۔

اسی جلد کے ساتھ یہ اطلاع بھی شامل ہے کہ یہ سلسلہ ۱۹۸۰ء تک آٹھ جلدوں میں پورا ہوگا۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ ان آٹھوں جلدوں میں کیا کیا ہوگا۔ شاید ڈراموں کے بارے میں مزید تفصیلات آئندہ جلدوں میں پیش کی جائیں۔

کتاب کا نام چونکا دینے والا ضرور ہے۔ سن کر خیال نہیں ہوتا کہ یہ کوئی اردو کتاب ہوگی۔ بلکہ کسی جرمن یا انگریزی کتاب کا گمان گذرتا ہے۔ لیکن یقین کیجیے یہ اردو میں ہی لکھی گئی ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔